© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

بے اصل فتنے

کلکتہ سے ایک صاحب لکھتے ہیں :۔

"چند امور متعلقہ تفسیر قرآن نے بکثرت لوگوں کو خلفشار میں ڈال رکھا ہے ۔ ایک تفسیر لکھی گئی ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ وہ اسلام کے عقائد کے خلاف ہے اور الحاد و دہریت کی موجب ہے ۔ چند آیات کی تفسیر بطور نمونہ اس کتاب سے نقل کرتا ہوں اور اس پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ بھی مختصراً بیان کیے دیتا ہوں ۔ معترضین اس کتاب کے مصنف کی تکفیر کرتے ہیں ۔ مہربانی فرما کر آپ ایک فیصلہ کن بحث کر کے بتائیں کہ آیا ان میں کوئی چیز موجب کفر ہے یا الحاد و دہریت ہے ؟

(۱) ۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا (البقرہ۔ ۳۵)

تفسیر ۔ خط کشیدہ فقرے کا مطلب یہ ہے کہ چار پرندے لو اور انکو اپنی طرف مائل کر لو یعنی اپنے سے اس طرح مانوس کر لو کہ جب تم انہیں چھوڑ دو تو وہ تمہاری طرف پلٹ کر آئیں ۔ پھر ان کا ایک ایک جزو ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو ۔

اعتراض ۔ مفسر نے مندرجۂ بالا الفاظ میں معجزۂ ابراہیمی کا انکار کیا ہے ۔

(۲) ۔ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ ۙ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ (ص۔ ۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفسیر - حضرت داؤد جب پہاڑوں اور پرندوں کو دیکھتے تو ان کو خدا یاد آتا۔

اعتراض - اس تفسیر میں نیچریت کا رنگ غالب ہے۔ متعدد آیات قرآنی کا مندرجہ بالا معانی سے انکار لازم آتا ہے۔ قرآن کا سیاق و سباق بتلاتا ہے کہ پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد کے ساتھ مشغول تسبیح ہوا کرتے تھے

(۳) وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ (سبا - ۲)

تفسیر - الناله الحدید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو لوہا نرم کرنیکا طریقہ سکھا دیا تھا۔

اعتراض - سلف کی تفسیر کے خلاف ہے۔ سلف کا قول یہ ہے کہ لوہا حضرت داؤد کے ہاتھ میں آٹے کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔

(۴) - كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (آل عمران ۔۴)

تفسیر - مطلب یہ ہے کہ حضرت مریم اس رزق کو اللہ کی بخشش کی طرف منسوب کرتی تھیں۔ اس آیت میں کوئی دلیل اس پر نہیں ہے کہ حضرت مریم کو گرمی کا میوہ جاڑے میں اور جاڑے کا گرمی میں ملتا تھا۔

اعتراض - یہ سلف کی تفسیر کے خلاف ہے۔

(۵) - وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ (اعراف - ۱۷)

تفسیر - مطلب یہ ہے کہ "ہم نے ان احکام کو الواح میں لکھنے کا حکم دیا"

اعتراض - بخاری کی روایت وخط لك التوراة بیدہ کی تکذیب ہوتی ہے۔

(۶) - وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا (یوسف - ۳)

تفسیر - یعنی اس نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

اعتراض - حضرت ابن عباس کی تفسیر کردہ شاہد بچہ تھا کی تکذیب ہے۔

(۷) - يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ (انعام - ۲۰)

تفسیر - یعنی جب موت کا دن آئیگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعتراض۔ امام احمد، بخاری اور مسلم کی روایات سے ثابت ہے کہ اس سے وہ دن مراد ہے جب سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ یہ تفسیر اس روایت کے خلاف ہے۔

(۸) یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ (ابراہیم۔۴)

تفسیر۔ اللہ توحید کی برکت سے دنیا اور آخرت کی زندگی میں مومنوں کو ثبات بخشے گا۔

اعتراض۔ یہ حدیث صحیح کے خلاف ہے جس میں ثبات سے مراد یہ بتائی گئی ہے کہ قبر میں جب مومن سے سوال ہوگا تو وہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ کہے گا۔

(۹)۔ وَالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ (طور۔۱)

تفسیر۔ بیت معمور سے مراد مساجد ہیں۔

اعتراض۔ یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں تصریح کی گئی ہے کہ البیت المعمور ساتویں آسمان پر ہے۔"

ترجمان القرآن۔ یہ ایک نمونہ ہے اُن فضول، لایعنی اور لاطائل جھگڑوں کا جن میں ہمارے اکثر و بیشتر علماء دین نہ صرف خود اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں بلکہ عام مسلمانوں کے ذہن کو بھی اس بری طرح الجھا رہے ہیں کہ ان غریبوں کو دین کی حقیقت اور اپنی زندگی کے مقصد پر غور کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ ان لوگوں کی دنیا تنگ اور محدود ہے، اور اس تنگ دنیا میں بیٹھے ہوئے یہ سمجھ رہے ہیں کہ انکی اور ساری دنیا کی فلاح کا مدار بس اسی قسم کے سوالات پر ہے کہ حضرت مریم کو گرمی کا میوہ جاڑے میں ملتا تھا یا نہیں، اور رہا حضرت داؤد کے ہاتھ میں آتے ہی موم بن جاتا تھا یا نہیں۔ کاش کوئی صورت ایسی ہوتی کہ انہیں ان کے حجروں کی تنگ دنیا سے نکال کر خدا کی وسیع دنیا کا مشاہدہ کرایا جاتا اور یہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ وہ حقیقی مسائل کون سے ہیں جن پر نوع انسانی کی فلاح و سعادت کا انحصار ہے، اور وہ مہمات امور کون سے ہیں جن پر قوموں کی قسمتیں بنتی اور بگڑتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب سے بڑھکر افسوسناک امر یہ ہے کہ ان مسائل میں مغز پاشی کرنے والے وہ لوگ ہیں جو ہمارے دین کے عالم اور ملت اسلامیہ کے علمبردار کہلاتے ہیں۔ مسلمان ان کی طرف اسیلیے رجوع کرتے ہیں کہ ان کے پاس سے دین کا علم ملیگا۔ اور دنیا ان کو اس نظر سے دیکھتی ہے کہ یہ اس دین کے نمائندے ہیں جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ ایسی اہم ذمہ دارانہ پوزیشن پر متمکن ہو کر جب یہ اُس قسم کے مسائل پر زبان وقلم کا زور صرف کرتے ہیں جنکا ایک چھوٹا سا نمونہ اوپر کے سوال میں پیش کیا گیا ہے تو مسلمان اور غیر مسلم سب اس غلط فہمی میں پڑجاتے ہیں کہ شاید اسلام کے مہمات مسائل یہی کچھ ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمگیر دائمی نبوت کے اتنے عظیم الشان منصب پر مقرر کرکے اسی لیے بھیجا ہوگا کہ آپ ان مسائل کا تصفیہ فرمائیں۔ اور یہ اسلام جو ساری دنیا کو راہ راست دکھانے اور دین و دنیا کی سعادت سے بہرہ ور کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے، اسکے اہم ترین مسائل ——— ایسے اہم جن پر مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا مدار ہے ——— بس یہی ہونگے کہ یوسف علیہ السلام اور امرأۃ العزیز کے قضیہ میں فیصلہ کرنے والا بچہ تھا یا جوان، اور حضرت موسیٰ کو اللہ میاں نے اپنے ہاتھ سے توراۃ لکھ کر دی تھی یا نہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اگر یہی اسلام ہے جسکی نمائندگی اس طرح کی جارہی ہے تو دنیا کا دائرۂ اسلام میں آنا تو درکنار، خود مسلمانوں کا بھی اس دائرے میں رہنا مشکل ہے، کیونکہ ایک چھوٹے سے جاہل طبقہ کے سوا عامۃ الناس کو ان مسائل سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ وہ ان کی تحقیق میں اپنا وقت صرف کریں اور ان کے لیے لڑیں جھگڑیں۔

میں سائل کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے کتاب کے مصنف اور معترض گروہ کے نام ظاہر نہیں کیے۔ فریقین کی شخصیت سے بے خبر ہو کر جو رائے ظاہر کی جائیگی اس پر کسی کو یہ شبہ کرنیکا موقع نہیں مل سکتا کہ اس میں کسی کی جانبداری یا مخالفت کی گئی ہے۔ میں صاف صاف کہنا چاہتا ہوں کہ جس طرح کے اعتراضات اوپر کے سوال میں درج کیے گئے ہیں، ایسے اعتراضات کی بنیاد پر کسی مسلمان کی تکفیر کرنا یا ملحد اور دہریہ ٹھیرانا قطعاً ناجائز ہے، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ دین کے علم سے بے بہرہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کفر، الحاد اور دہریت کے معنی بھی معلوم نہیں ہیں، ورنہ وہ ان الفاظ کو اس طرح بے جا استعمال نہ کرتے۔ کفر سے مراد یہ ہے کہ جو تعلیم و ہدایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اس کا انکار، یا اس سے معارضہ کیا جائے۔ الحاد یہ ہے کہ آدمی حق سے روگردانی کر کے باطل کی طرف مائل ہو (اور حق و باطل کا معیار پھر وہی علم ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو)۔ دہریت یہ ہے کہ انسان خدا کا منکر ہو یا کائنات کے نظم ونسق میں خدا کی خدائی کو غیر موثر مانتا ہو۔ اب غور کیجیے کہ بعض آیات کی جو تفسیر اوپر نقل کی گئی ہیں ان میں سے کس میں کفر یا الحاد یا دہریت ہے؟

(۱) پہلی آیت کی تفسیر صحیح ہے یا غلط، اس سے یہاں کچھ بحث نہیں۔ مان لیجیے کہ غلط ہے۔ مگر کیا ہر غلطی کفر یا الحاد یا دہریت ہی ہوتی ہے؟ مصنف نے صُرْهُنَّ إِلَيْكَ کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ لغت کے اعتبار سے درست ہے۔ بعض قدیم مفسرین نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے۔ پھر وہ دوسرے فقرے (ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا) کا وہی مفہوم بیان کر رہا ہے جو آیت کے الفاظ سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ کس طرح معجزۂ ابراہیمی کا منکر قرار دیا جا سکتا ہے؟ تاہم اگر مان لیا جائے کہ وہ اس آیت کی ایسی تاویل کرتا ہے جو اس خاص واقعہ کے معجزہ ہونے کو تسلیم نہیں کرتی تب بھی الحاد کا الزام ثابت نہیں ہوتا۔ الحاد صرف اس صورت میں ہوگا جبکہ نفس معجزہ کی حقیقت سے انکار کیا جائے۔ رہا فرداً فرداً ایک ایک معجزہ تو قرآن میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں اس امر میں اختلاف کی گنجائش ہے، اور اختلاف کیا بھی گیا ہے، کہ آیا انہیں معجزہ قرار دیا جائے یا معمولی فطری واقعات۔ لہذا اگر ایسے کسی موقع پر کوئی شخص آیت کی تاویل اس طرح کرتا ہو کہ ایک واقعہ معجزہ کے بجائے محض فطری واقعہ قرار پائے تو الحاد کا الزام لگانا درست نہیں۔ اسے محض غلطی کہا جا سکتا ہے۔

(۲) دوسری آیت کی تفسیر بلاشبہ الفاظ قرآنی سے ہٹی ہوئی ہے۔ مگر اس کو بھی کفر کہنے کے بجائے غلطی کہنا چاہیے۔ کفر اس وقت ہوتا جب قرآن کے علی الرغم مصنف یہ کہتا کہ پہاڑ اور پرندے تسبیح نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے۔ ایسی کسی بات کا ارتکاب مصنف نے نہیں کیا ہے، بلکہ اس نے اپنی عقل کے مطابق آیت کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نوع کی تاویلات پر اگر لوگوں کی تکفیر کی جانے لگے تو کسی شخص کا بھی کفر کے الزام سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔ کیونکہ قرآن میں بہت سی ایسی آیات متشابہات ہیں جن کا مفہوم مختلف لوگ اپنی اپنی عقل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مطابق مختلف طور پر متعین کرتے ہیں۔ پہاڑوں اور پرندوں کا تسبیح کرنا ایک ایسا امر ہے جس کی کیفیت خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر کوئی اس کا مطلب یہ لیتا ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کے پاس بھی ویسی ہی دانہ دار تسبیحیں ہوتی ہیں جیسی ہمارے زاہد پھیرا کرتے ہیں، تو میں اسکی رائے کو غلط کہہ سکتا ہوں مگر اسکی تکفیر نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی دوسرا شخص اسکا مطلب یہ لیتا ہے کہ حکم الٰہی کے آگے انکا مسخر ہونا ہی انکی تسبیح ہے اور اس تسبیح کے عالم میں انکو دیکھ کر حضرت داؤد پر یاد الٰہی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی (جیسا کہ اس تفسیر کے مصنف کا خیال ہے) تو میں اسکی رائے سے بھی اختلاف کر سکتا ہوں، مگر اسکی تکفیر نہیں کر سکتا۔ میں خود اس آیت کی تاویل یوں کرتا ہوں کہ حضرت داؤد کو اللہ نے بہترین سُریلی اور بلند آواز عطا فرمائی تھی۔ اس آواز کے ساتھ جب وہ زبور پڑھتے تو وادیاں گونج اٹھتیں، چرند و پرند جمع ہو جاتے، اور تمام گرد و پیش کی چیزوں پر ایک مستی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس تفسیر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ ابو موسیٰ[1] اشعری قرآن پڑھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ چلتے چلتے انکی آواز سن کر ٹھیر گئے اور کچھ دیر لطف لینے کے بعد فرمایا لقد اوتی ھٰذا من مزامیر آل داؤد (اس شخص کو لحنِ داؤدی میں سے ایک حصہ ملا ہے)۔ یہ تاویل میرے ذوق اور بصیرت سے مطابقت رکھتی ہے۔ اگر کوئی اس کو پسند نہیں کرتا تو اسے غلط کہہ سکتا ہے مگر میری تکفیر نہیں کر سکتا۔

(۳) تیسری آیت کا جو مفہوم مصنف نے بیان کیا ہے وہ الفاظ قرآنی کے خلاف نہیں ہے۔ قرآن کے الفاظ صرف یہ ہیں کہ "ہم نے اسکے لیے لوہے کو نرم کر دیا"۔ رہا سلف کا یہ قول کہ "حضرت داؤد کے ہاتھ میں آتے ہی لوہا آٹے کی طرح نرم ہو جاتا تھا"، تو بلاشبہ یہ قول حسن بصری اور قتادہ اور اعمش وغیرہم سے منقول ہے، مگر یہ لوگ خدا کی طرف سے کب مبعوث ہوئے تھے کہ ان کے اقوال کو ترک کر دینے سے انسان کافر ہو جائے؟ قرآن میں تو کہیں اس مفہوم کی تصریح نہیں کی گئی ہے۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث اس معنی میں مروی ہے۔ پھر یہ کیا غضب ہے کہ لوگوں کو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن اور قتادہ اور اعمش پر بھی ایمان

[1] حضرت ابو موسیٰ بڑے خوش آواز شخص تھے۔ ابو عثمان نہدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے طنبور کی آواز ابو موسیٰ کی آواز سے اچھی نہیں سنی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لانے کا پابند کیا جاتا ہے؟ اور جو شخص انکے اقوال کو چھوڑتا ہے اسے بھی ویسا ہی کافر ٹھیرایا جاتا ہے جیسا اُس شخص کو جو قرآن اور نبیؐ کے ارشاد سے انحراف کرے؟

(۴) اس آیت کی تفسیر پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ بھی اُتنا ہی لغو ہے جتنا آیت نمبر ۳ کی تفسیر پر ہے۔ آیت کے الفاظ صرف یہ کہتے ہیں کہ حضرت زکریاؑ جب کبھی حضرت مریم علیہا السلام کے پاس محراب میں جاتے تو ان کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کا سامان موجود پاتے۔ اور جب حضرت مریم سے پوچھتے کہ یہ کہاں سے آیا؟ تو وہ جواب دیتیں کہ خدا کے پاس سے" اب رہا یہ امر کہ وہ کھانے کا سامان دراصل گرمی کا میوہ جاڑے میں اور جاڑے کا گرمی میں ہوتا تھا، تو یہ نہ قرآن میں مذکور ہے اور نہ کسی حدیث صحیح میں، بلکہ یہ قتَادَہ اور عِکرِمَہ اور سعید بن جُبیر اور ضحاک وغیرہم کا بیان ہے۔ تو کیا اب ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کرنے والے بھی کافر بنائے جائینگے؟ اگر ایسا ہے تو آپ امام مجاہد کے حق میں کیا فرماتے ہیں جنہوں نے مذکورۂ بالا بزرگوں سے اختلاف کرکے "رزق" کی تاویل علم سے کی اور کہا کہ حضرت مریم کے پاس صحیفے پائے جاتے تھے جن میں علم ہوتا تھا؟ اور اس حدیث کے متعلق کیا ارشاد ہے جو جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے ہاں بھوک کی حالت میں تشریف لے گئے اور کچھ کھانے کو طلب کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ واللہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ حضور واپس تشریف لے گئے۔ اتنے میں حضرت فاطمہ کی ایک ہمسائی نے دو روٹیاں اور کچھ گوشت بھیج دیا۔ حضرت فاطمہ نے فوراً اپنے بچوں میں سے ایک کو دوڑایا کہ حضور کو واپس بلا لائیں۔ جب حضور تشریف لائے تو حضرت فاطمہ نے کھانا پیش کیا۔ آپ نے پوچھا کہ بیٹی یہ کہاں سے آیا؟ حضرت فاطمہ نے عرض کیا یا ابت ھو من عند اللہ (ابا جان، یہ اللہ کے ہاں سے آیا ہے)۔ اس پر حضور نے فرمایا بیٹی خدا کا شکر ہے جس نے تجھے سیدۃ نساء بنی اسرائیل (مریم علیہا السلام) کے مشابہ بنایا۔ ان کے پاس بھی جب خدا کی طرف سے رزق آتا اور ان سے پوچھا جاتا کہ یہ کہاں سے آیا ہے تو وہ کہتی تھیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے" اس حدیث کو حجت بنا کر اگر کوئی کہے کہ حضرت مریم کے پاس پردۂ غیب سے رزق نہیں اترتا تھا، بلکہ اللہ نے ان کے لیے ایسا سامان کر دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا کہ وہ بے سہارا اور بے وسیلہ ایک محراب میں بیٹھی ہوئی تھیں اور وقت پر کوئی نہ کوئی شخص ان کو کھانا پہنچا دیا کرتا تھا، تو کیا ایسی تاویل کرنے والے کو کافر ٹھیرایا جائیگا؟ پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ گرمی کا میوہ جاڑے میں اور جاڑے کا گرمی میں ملنا بجز خرق عادت کے اور کونسی خوبی اپنے اندر رکھتا ہے؟ اللہ نے جو میوہ جس موسم میں پیدا کیا ہے وہ اسی موسم کے لیے نعمت ہے، کیونکہ وہ اس موسم کی طبیعت کے لحاظ سے پیدا کیا گیا ہے۔ دوسرے موسم میں اس میوہ کا ملنا عجوبہ تو ہو سکتا ہے مگر نعمت نہیں۔

(۵) اس آیت کی تاویل میں امام رازی فرماتے ہیں :-

واعلم انه ليس فى لفظ الاية ما	معلوم ہونا چاہیے کہ اس آیت کے الفاظ سے
يدل على كيفية تلك الالواح وعلى كيفية	واضح طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ لوحیں کیسی تھیں
تلك الكتابة فان ثبت ذلك التفصيل	اور اس کتابت کی کیفیت کیا تھی۔ اب اگر کسی دوسری
بدليل منفصل قوى وجب القول به و	قوی دلیل سے یہ تفصیل ثابت ہو تب تو اس کا قائل
الا وجب السكوت عنه	ہونا چاہیے ورنہ اس باب میں سکوت ہی مناسب ہے۔

کیا امام رازی کی بھی تکفیر کی جائیگی کہ انہوں نے بخاری کی حدیث مذکور کے ہوتے ہوئے کیفیت کتابت کی تفصیل کو غیر ثابت سمجھا ہے؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کے نزدیک کسی حدیث کے الفاظ یا اسناد مشتبہ ہوں اور اس بنا پر وہ اس کا قائل نہ ہو تو اسے قول رسول کا منکر ٹھیرا دیا جائے؟ اس نوعیت کے کفر سے علمار سلف میں سے کونسا عالم اور امام بچ سکتا ہے؟ چھوٹے لوگوں کو چھوڑیے۔ بڑے بڑے ائمہ سے جن کی امامت صدیوں سے دنیائے اسلام میں مسلّم ہے، ایسے اقوال منقول ہیں جو بعض روایات کے خلاف پڑتے ہیں۔ کیا ان سب کو منکر فرمان رسول قرار دیا جائیگا؟

وہ حدیث جس سے معترضین نے استدلال کیا ہے بخاری میں چار جگہ آئی ہے اور چاروں جگہ اس کے الفاظ مختلف ہیں :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب القدر میں طاؤس ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں اصطفاك الله بكلامه وخط لك بيده۔ خدا کا اپنے ہاتھ سے توراۃ لکھنا صرف اسی روایت میں بیان ہوا ہے۔

کتاب التوحید اور احادیث الانبیاء میں حمید بن عبدالرحمٰن ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں اصطفاك الله برسالته وبكلامه (یا برسالاته وبكلامه) اس روایت میں ہاتھ سے توراۃ لکھنے کا مضمون نہیں ہے۔

کتاب التفسیر میں محمد بن سیرین ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں اصطفاك الله برسالته واصطفاك لنفسه وانزل عليك التوراة۔ یہاں بھی ہاتھ سے توراۃ لکھنے کا مضمون نہیں ہے۔

امام مسلم نے کتاب القدر میں چار حدیثیں نقل کی ہیں جو سب حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں اور ان میں سے تین اس مضمون سے خالی ہیں۔ دوسری معتبر کتب حدیث میں بھی یہی حال ہے کہ اکثر روایات میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے جو ہاتھ سے توراۃ لکھنے کی تصریح کرتی ہو۔ اس تقابل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اول تو یہ حدیث باللفظ نہیں بلکہ بالمعنی روایت ہوئی ہے، دوسرے یہ امر مشکوک ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لك بيده (یعنی اللہ نے توراۃ اپنے ہاتھ سے آپ کو لکھ کر دی تھی) کے الفاظ فرمائے تھے یا نہیں۔ پس یہ انتہا درجہ کی بے احتیاطی بلکہ جرم ہے کہ ایسے ایک مشتبہ امر کی بنیاد پر کسی مسلمان کی تکفیر کی جائے۔

(۶) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کے قول کو حجت بنا کر مصنف کی تکفیر کی گئی ہے۔ حالانکہ خود حضرت ابن عباس سے تین مختلف قول منقول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ شاہد جس نے حضرت یوسف اور امرأۃ العزیز کے معاملہ میں فیصلہ دیا تھا، ذو لحیہ (ڈاڑھی والا) تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شاہ مصر کے مصاحبوں میں سے تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ "ایک بچہ تھا گہوارے میں"۔ اب کیوں نہ معترضین جرأت کرکے خود حضرت ابن عباس ہی کی تکفیر کردیں؟ اور کیوں نہ ساتھ ہی مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، محمد بن اسحاق سُدّی اور زید بن اسلم کو بھی لپیٹ لیں کیونکہ یہ سب بالاتفاق کہتے ہیں کہ وہ بچہ نہ تھا بلکہ مرد تھا؟

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بات کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی، حتیٰ کہ جس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذکر تک ضروری نہ سمجھا اس کو اتنی اہمیت دی جائے کہ اگر کوئی شخص اسے نظر انداز کردے تو اسے کافر ٹھیرایا جائے۔ قرآن واقعات کی غیر ضروری تفصیلات کو عموماً چھوڑ دیتا ہے، اور صرف ان اہم اجزاء کو بیان کرتا ہے جو نفسِ مقصود سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر بعض مفسرین کا ذوق اس طرح کا ہے کہ وہ اُن غیر ضروری تفصیلات کا کھوج لگاتے ہیں جنھیں قرآن نے نظر انداز کردیا ہے۔ مثلاً قرآن کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو چار پرندے لینے کا حکم دیا گیا۔ یہ واقعہ جس غرض کے لیے بیان کیا گیا ہے اس میں یہ تفصیل غیر ضروری تھی کہ وہ پرندے کون کون سے تھے۔ مگر بعض مفسرین نے معلوم نہیں کس جگہ سے پتہ چلایا کہ وہ پرندے مور اور کوّا اور کبوتر وغیرہ تھے۔ اسی طرح قرآن حضرت یوسف کے واقعہ میں صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ ایک شاہد نے قرائن کی شہادت سے حضرت یوسف کی برأت ثابت کی۔ اس میں یہ سوال کہ شاہد کی عمر کیا تھی بالکل غیر اہم تھا اسلیے قرآن نے اسکا کوئی ذکر نہیں کیا۔ مگر بعض مفسرین نے شاہد کی عمر کا کھوج لگانا بھی ضروری سمجھا۔ ایسی باتوں سے جس شخص کو دلچسپی ہو وہ مفسرین کے اقوال کو قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ لیکن یہ کیا ظلم ہے کہ جو لوگ ان اقوال کو نظر انداز کردیں اور صرف انہی امور تک تفسیر کو محدود رکھیں جنھیں قرآن نے بیان کیا ہے تو انکی تکفیر کی جائے؟ اور پھر تکفیر بھی اس بنیاد پر کہ تم نے سلف کے قول سے انحراف کیا ہے؟ آخر معلوم تو ہو کہ یہ سلف کون سے انبیاء تھے جن پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو تکلیف دی گئی ہے؟

(۷) ساتویں آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

”کیا یہ لوگ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ملائکہ آئیں یا تیرا رب (خود) آجائے یا تیرے رب کی بعض کھلی نشانیاں آجائیں؟ جس روز تیرے رب کی بعض کھلی نشانیاں آجائینگی اس روز تو کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دیگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لاچکا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں کسی بھلائی (یعنی عمل صالح) کا اکتساب نہ کیا ہو۔“

خط کشیدہ فقرے میں جس دن کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد وہ دن بھی ہو سکتا ہے جب خدا کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عذاب سر پر آجائے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا (المومن - ۹) اور اس سے مراد موت کا وقت بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ یقبل توبۃ العبد ما لم یغرغر، یعنی جب جان کنی شروع ہو جائے اور حلق میں گھونگرو بولنے لگے اس وقت اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول نہیں کرتا۔ اور اس سے مراد وہ وقت بھی ہو سکتا ہے جب قیامت کی کھلی ہوئی علامات ظاہر ہونے لگیں، جیسا کہ اُس حدیث میں مذکور ہوا ہے جس کا حوالہ معترضین نے دیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان معانی میں سے ایک معنی بیان کرتا ہے اور دوسرے معانی کی تکذیب نہیں کرتا تو آخر اسکی تکفیر کس بنا پر کی جاتی ہے؟ جبکہ قرآن کے الفاظ تینوں معنوں کے محتمل ہیں، اور ہر معنی کی تائید قرآن یا حدیث سے ہوتی ہے، تو ان تینوں میں سے ایک معنی بیان کرنے والا آخر کس جرم کی پاداش میں کافر ہو جائیگا؟

(۸) آٹھویں آیت کے جو معنی مصنف نے بیان کیے ہیں وہ الفاظ قرآنی کے بالکل مطابق ہیں، اور اس حدیث کے بھی خلاف نہیں ہیں جس کا حوالہ معترضین نے دیا ہے۔ وہ حدیث اس آیت کے صرف ایک پہلو پر روشنی ڈالتی ہے، یعنی یہ کہ حیات اخروی کے دروازہ میں قدم رکھتے ہی اللہ تعالیٰ مومن کو کلمۂ توحید سے کس طرح ثبات بخشے گا، سو مصنف اس کا منکر نہیں ہے، وہ بھی آخرت میں ثبات بخشے جانے کا قائل ہے البتہ اگر معترضین اس حدیث کو حجت بنا کر دنیا کی زندگی میں کلمۂ توحید سے ثبات حاصل ہونے کا انکار کرتے ہیں تو وہ خود قرآن کی تکذیب کے مجرم ہیں، کیونکہ قرآن فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الآخرۃ کہہ رہا ہے، اور حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو فی الحیٰوۃ الدنیا کی تردید کرتا ہو۔

یہ سخت جہالت کی بات ہے کہ بعض آیات کی تفسیر میں جو احادیث یا آثار منقول ہیں ان کو حصر کے معنی میں لے لیا جائے اور یہ گمان کر لیا جائے کہ ان آیات کا کوئی مفہوم اُس مفہوم کے سوا یا اُس مفہوم سے زائد نہیں ہے جو ان احادیث یا آثار میں بیان ہوا ہے۔ جو لوگ تفسیروں میں کوئی حدیث یا اثر دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ آیت کا مفہوم صرف اسی قدر ہے، اور اس سے زائد یا اس سے مختلف مفہوم بیان کرنے والے کو حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا اثر کا منکر قرار دیتے ہیں وہ دراصل سلف کے طریقہ سے ناواقف ہیں اور اپنے جہل کی کُند چھری سے بندگانِ خدا کے ایمان کو ذبح کرتے ہیں۔ انہیں علامہ ابن القیم کے ان الفاظ کو غور سے پڑھنا چاہیے:

"ابن عباس اور دوسرے بزرگانِ سلف کا طریقہ یہ ہے کہ بسا اوقات وہ آیت کے معانی اور دلالات میں سے کسی ایک چیز کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ مگر ناواقف لوگ اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ آیت کا کوئی اور مفہوم اس معنی کے سوا نہیں ہے۔" (اعلام الموقعین جلد اول ص ۵۰)

(۹) البیت المعمور کی تفسیر پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ بھی اسی نوعیت کا ہے جیسا نمبر ۲ میں مذکور ہوا۔ حدیث میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ بیت المعمور آسمان میں ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیت المعمور زمین میں نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان میں بھی ہے۔ حصر کا پہلو اختیار کرنا محض ناواقفیت کی دلیل ہے۔ آیت کے الفاظ عام ہیں اور دوسرے معانی کا بھی احتمال رکھتے ہیں۔ ایک شخص بیت المعمور سے مراد بیت اللہ بھی لے سکتا ہے۔ پوری زمین کو بھی بیت المعمور قرار دے سکتا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ البیت کا الف لام تعریف جنس کے لیے ہے اور اس سے مراد ہر آباد جگہ ہے۔ یہ سب معانی اس مقصود سے مطابقت رکھتے ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے البیت المعمور کی قسم کھائی ہے۔ پھر آخر کس دلیل سے انسان پر دوسرے تمام معانی کا دروازہ بند کیا جا سکتا ہے؟

مزید براں یہ کتنی زیادتی ہے کہ جو شخص کسی حدیث کے بارے میں ساکت ہو اسے حدیث کا منکر یا مکذب ٹھیرا دیا جائے۔ کیا سکوت کے معنی صرف انکار اور تکذیب ہی کے ہیں؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اسے اس حدیث کا علم نہ ہو؟ اور اگر بالفرض وہ اسی لیے سکوت اختیار کرتا ہے کہ وہ اس حدیث کا قائل نہیں ہے تو تب بھی اس کی تکفیر کیسے کی جا سکتی ہے؟ تکفیر صرف اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ وہ شخص حدیث کو صحیح مانے اور پھر یہ کہے کہ جو بات رسول اللہ صلعم سے ثابت ہے اس کو میں تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن اگر وہ اس امر میں شک رکھتا ہو کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں، اور اس بنا پر حدیث کو رد کرتا ہو تو اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کفر یا الحاد کا الزام کیسے دیا جا سکتا ہے؟

اس بحث سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ کفر، الحاد اور دہریت جن چیزوں کا نام ہے ان میں سے کوئی چیز بھی اُن عبارات میں نہیں پائی جاتی جو زیر بحث تفسیر سے سائل نے نقل کی ہیں۔ اس کے مصنف کی بعض باتوں کو غلط کہا جا سکتا ہے، مگر کسی چیز کا غلط ہونا اور چیز ہے اور اس کا کفر یا دہریت یا الحاد ہونا اور چیز۔ جو شخص قواعد شرعیہ سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ ثبوت کفر کے لیے کن چیزوں کا متحقق ہونا ضروری ہے وہ ہرگز یہ جسارت نہیں کر سکتا کہ جہاں اپنے نزدیک کوئی بات غلط پائے وہاں کفر کا حکم لگا دے۔ مگر یہ مسلمانوں کی سخت بد قسمتی ہے کہ جو لوگ ان کے مقتدا بنے ہوئے ہیں ان میں سے بعض تو حقیقۃً قواعد شرعیہ سے ناواقف ہیں اور صرف حمل اسفار کی حد تک علم رکھتے ہیں، اور بعض ذی علم تو ہیں مگر خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں رکھتے، اس لیے انہوں نے اپنا یہ شیوہ بنا لیا ہے کہ جہاں کسی سے ناراض ہوئے، اور بلا تامل اس کے خلاف کفر کا حکم صادر کر دیا۔ یہ لوگ بے تکلف کفر و الحاد کے الفاظ کو "غلط" کے معنی میں بولتے ہیں، ہر وہ چیز جو ان کی رائے میں غلط ہے وہ یا تو کفر ہے یا الحاد یا دہریت۔ بہت رعایت کریں گے تو فسق اور گمراہی کا حکم لگا دیں گے۔ اس سے کم وزن کا کوئی لفظ ان کی لغت میں ہے ہی نہیں۔

جو لوگ ترجمان القرآن کی روش سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں اس قسم کے جھگڑوں سے ہمیشہ الگ رہتا ہوں۔ اپنے طریقہ سے ہٹ کر آج اس بحث میں چند صفحے سیاہ کرنے سے میرا مقصد اس خاص مقدمہ میں دخل دینا ہرگز نہیں ہے جسے سائل نے اپنے سوال میں پیش کیا ہے۔ کیونکہ ایسے مقدمات تو ہندوستان میں اس کثرت سے چھڑے ہوئے ہیں کہ ان کا تصفیہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ میرا مقصد اس بحث سے صرف یہ ہے کہ اول تو میں ان علماء کے ضمیر سے اپیل کرنا چاہتا ہوں جو اس قسم کے جھگڑے مسلمانوں میں برپا کر کے اسلام کی طاقت کو نقصان پہنچاتے ہیں اور دنیا کی نگاہوں میں اپنے ساتھ اپنے دین کو بھی مضحکہ بناتے ہیں۔ اس کے ساتھ میں عام مسلمانوں کو بھی بتانا چاہتا ہوں کہ یہ مولوی صاحبان عام طور جن مسائل کو چھیڑ کر انہیں آپس میں لڑاتے ہیں وہ کس قدر بے حقیقت ہیں اور ان میں الجھ کر اپنا وقت اور روپیہ برباد کرنا اور اپنی قومی طاقت کو ضائع کرنا کیسی حماقت ہے کہ دنیا میں بھی اس سے رسوائی ہو اور خدا بھی خوش نہ ہو۔

© rasailojaraid.com